انتقال خون سے متعلقہ اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلے کا تحلیلی مطالعہ

An analytical study of the decision of the Islamic Fiqh Academy Jeddah related to the death of blood

Dr. Hafiz Muhammad Sarfraz Ghani**
Dr. Muhammad Imtiaz Hussain**

Abstract

The transfusion of blood means "to extract blood from a human body and inject it into another body". The transfusion of blood is prohibited without any compulsion as it is among prohibited things in Islam. The Islamic laws and jurisprudence do not allow this transfusion of blood in the condition of choice. All the jurisprudents are of the view that the blood oozing out of the body of an animal of dryness is as long as in its body, it is sanctified just like all the other parts of its body and when it oozes out of its body it becomes unsanctified. The transfusion of blood is allowed only in the condition of compulsion as the Holy Quran the Hadith, and the laws of Islamic Jurisprudence and the viewpoints of the jurisprudents clearly elaborate the idea that the use of prohibited things is allowed and validated only in case of compulsion. In the same way the transfusion of blood shows the passion of sacrifice, brotherhood and fraternity. During the research after taking into consider an all the arguments I am of the view that the decision of International Islamic Fiqh Academy Jeddah about the transfusion of blood is close to reality and verity.

Keyword: Transfusion of blood, The Holy Quran, The Hadith, Laws of jurisprudence, Islamic Fiqh Academy Jeddah, Conclusion.

اللہ رب العزت نے انسان کو ہزار انعامات واکرامات کے ساتھ زندگی عطافرمائی تو ساتھ ساتھ اس کی سلامتی بھی اہمیت دے کر خصوصی احکامات دیے۔اسی لئے اپنے مکلفین کو ایسی چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا جو انسانی زندگی کے تحفظ میں مانع ہوں یا ان سے ہلاکت و بربادی کا شبہ ہو۔حیات انسانی کی بقاءاور تحفظ کا ایک ذریعہ علاج و معالجہ بھی ہے خود اللہ رب العزت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاج و معالجہ کی ترغیب دی ہے۔ہر زمانے میں علاج کے طریقے مختلف رہے ہیں عہد رفتہ میں عام طور پر نباتات اور جمادات علاج کا ذریعہ تھیں لیکن انسانی زندگی ہر دم رواں دواں ہے، ہر عہد جدید اپنے ساتھ نئے مسائل لے کر آتا ہے عصر حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے ہر گوشے اور ہر شعبے میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کی ہیں جس سے ہر علم و فن میں نئے مسائل پیدا ہوئے اور ان کے لئے تحقیق و تفتیش کے نئے میدان کھلے ہیں باقی علوم و فنون کی طرح علم طب و جراحت نے ترقی کی اور علاج و معالجہ میں بہت سی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں ان سے جہاں طبّی فوائد حاصل ہوئے ہیں وہاں بہت سے حلال و حرام سے متعلقہ شرعی مسائل پیدا ہوئے ہیں جدید شرعی مسائل میں سے ایک انتقال خون بھی ہے۔

** Assistant Professor (Visiting), University of Education Lahore (Faisal Abad Campus).
Email: hafizsarfraz99@gmail.com
** Assistant Professor, Imperial College of Business Studies Lahore.
Email: drimtiaz49@gmail.com

انتقال خون کا مفہوم:

انتقال عربی زبان کا لفظ ہے اور باب افتعال کا مصدر ہے اس کا مادہ مجرد ن۔ق۔ل ہے اسی لئے عربی زبان میں انتقال خون کی بجائے نقل دم کا لفظ مستعمل ہے انتقال خون کے مفہوم کی تفہیم کے لئے نقل اور دم کا معنی الگ الگ جاننا ضروری ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

نقل کا معنی:

صحاح میں نقل کا معنی یوں ہے:

نقل الشيء من مكان الي مكان الآخر.(١)

(کسی چیز کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا)

دم کا معنی:

اہل لغت نے دم کے اصل مادہ میں دو قول نقل کئے ہیں سیبویہ (۲) کے نزدیک یہ دمی سے مشتق ہے جب کہ مبرد کے نزدیک دمو (۳) سے مشتق ہے دم کی اصل دمی ہو یا دمو اس کا معنی درج ذیل ہی ہے:

الدم سائل احمر يسري في عروق الانسان وهو عماد الحيوة.(٤)

(خون انسان کی رگوں میں گردش کرنے والا ایک سرخ رنگ کا سیال مادہ ہے اور اسی سیال مادے پر انسانی زندگی کا مدار ہے)

نقل اور دم کے لغوی معنی سے ظاہر ہوا کہ انتقال خون کا مطلب خون کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرنا ہے خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے ہو۔

مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ کا فیصلہ:

مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ نے اپنے گیارویں اجلاس منعقدہ جب ۱۴۰۹ھ بمطابق فروری ۱۹۸۹ء میں انتقال خون کے جواز کا فتوی دیا جو درج ذیل ہے:

الحكم هو الجواز بشروط: ان تتحقق الضرورة بان خيف عليٰ حيوة الانسان وليس ما ينفذه الا هذا العمل و ان تكون نسبة نجاح هذا العلاج عالية وان يكون برضاء الانسان الماء خوذ منه، والا يؤثر علي حياته او علي صحته تاثيرا شديدا و يمكن التا كدمن ذلک براي الطبيب الماهر العدل(٥)

مجمع الفقہ الاسلامی نے ایک انسان کے خون کو دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کرنے کو چند شروط کیساتھ جائز قرار دیا ہے۔

جب ضرورت متحقق ہو بایں طور کہ کسی انسان کی جان جانے کا خطرہ یا ڈر ہو اور اس عمل کے سوا جان بچانے کا اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔

اس علاج کی کامیابی کا گمان غالب ہو۔

جس شخص کا خون لیا جا رہا ہو وہ خون دینے پہ راضی ہو خون دینے کی وجہ سے خون دینے والے کی زندگی متاثر نہ ہوتی ہو یا اسکی صحت کے شدید

متاثر ہونے کا ڈر نہ ہو۔

اس بات کا اندازہ کسی ماہر حاذق عادل طبیب کی رائے سے لگایا گیا ہو۔

قرآن کریم:

ہماری زندگی میں خون کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ زندگی کا دار و مدار جن خلیات پر ہے ان کا وجود دوران خون پر موقوف ہے اس لیے کہ خون جسم کے تمام خلیوں کو غذا اور آکسیجن مہیا کرتا ہے اور نقصان دہ فضلات کو چوس کر جسم سے خارج کرتا ہے اپنی تمام تر حیران کن اور تیز رفتار ترقی کے باوجود اس عطیہ الہی کا بدل ایجاد کرنے سے عاجز ہے لہذا کوئی چیز بھی انسانی خون کا بدل نہیں بن سکتی اللہ تعالی نے خون کی دو قسمیں بنائی ہیں ایک قسم وہ ہے جو دوران خون میں اپنا کردار ادا کرتا ہے دوسرا خون وہ ہے جو جگر تلی وغیرہ میں ذخیرہ شدہ ہوتا ہے اور جب کبھی جسم میں کسی حادثے کے باعث خون کی کمی ہو جائے تو یہ اس کمی کی تلافی کر سکتا ہے۔ خون چونکہ اللہ تعالی ایسی نعمت مترقبہ ہے جسکا کوئی نعم البدل نہیں لہذا جب کسی بیماری یا حادثہ کی صورت میں کسی انسان کے جسم میں خون کی مقدار اس قدر کم رہ جائے کہ جو اسکی نبض کو حرکت میں رکھنے سے قاصر ہو تو اسکی موت یقینی ہو جاتی ہے از منہ قدیم میں ایسے شخص کو موت سے بچانا ایک ناممکن سی بات تھی کیونکہ اس دور کے اطباء کے پاس خون کی کمی کی تلافی کا کوئی متبادل راستہ موجود نہ تھا لیکن دور حاضر میں سائنسی ترقی کی بدولت جدید ٹیکنالوجی نے اس بات کو مملن بنا دیا ہے کہ ایک انسان کا خون انجکشن یا کسی اور آلہ کی مدد سے نکال لیا جائے اور انجکشن وغیرہ ہی کے ذریعہ کسی دوسرے کے جسم میں منتقل کر دیا جائے اس طریقہ پر عمل کرنے سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ایسے مریضوں کی جان بچانا کافی حد تک ممکن ہو گیا ہے چنانچہ دور حاضر کے طبی ادارے اور ڈاکٹرز وغیرہ ضرورت کے وقت اس طریقہ پر عمل کرتے ہوئے کسی صحیح اور تندرست آدمی کا خون ایسے بیمار شخص کے جسم میں منتقل کر دیتے ہیں جس کے جسم میں حادثے یا بیماری کی وجہ سے خون کی کمی واقع ہو چکی ہو یہ طریقہ علاج اس وقت دنیا بھر میں متعارف ہے اور ہر ملک کے ڈاکٹرز اس سے استفادہ کر رہے ہیں ہمارے پیش نظر اس وقت یہ مسئلہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس طریقہ علاج یعنی علاج بنقل الدم کی کس حد تک گنجائش ہے اور اسکا شرعی حکم کیا ہے؟

علماء کی ایک جماعت (٦) کا خیال ہے کہ آدمی اور ماکول اللحم جانور کا خون پاک ہے جب کہ احناف (٧) مالکیہ (٨) شوافع (٩) حنابلہ (١٠) اور ابن تیمیہ (١١) کے نزدیک سیال خون حرام اور نجس ہے چاہے وہ آدمی ماکول اللحم جانور کا ہی کیوں نہ ہو لیکن جب خون چڑھانے کے سوا کوئی اور طریقہ علاج نہ ہو مثلا کسی حادثہ گولی لگنے یا آپریشن کی وجہ سے اس قدر خون بہ جائے کہ بغیر خون چڑھائے مریض کا جانبر ہونا مشکل ہو تو ایسی ضرورت اور اضطرار کے موقع پر مریض کو خون چڑھانا جائز ہے یا کسی کو بلڈ کینسر (خون کا سرطان) ہو جس میں ایک معینہ عرصہ کے بعد ہر مرتبہ جسم کا پورا خون تبدیل کرنا پڑتا ہے ورنہ مریض مر جاتا ہے مذکورہ بالا سب صورتوں میں انتقال خون کے ذریعے علاج ضرورت کا درجہ اختیار کر جائے گا۔ تو اللہ تعالی نے جہاں قرآن مجید میں خون کا حرام ہونا بیان کیا ہے وہاں ضرورت کے وقت اس کے استعمال کا جواز بھی بیان کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم۔[12]

ترجمہ: بے شک اس نے حرام کیا ہے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور بلند کیا گیا ہو جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیکن جو مجبور ہو جائے درآں حال کہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر (بقدر ضرورت کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

قل لا اجد في ما اوحي الي محرما علي طاعم يطعمه الا ان يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فانه رجس او فسقا اهل لغير الله به فمن اضطر غير باغ ولا عاد فان ربک غفور رحيم۔[13]

ترجمہ: (آپ فرمائیں میں نہیں پاتا (کتاب) میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کوئی چیز حرام کھانے والے پر جو کھاتا ہے سے مگر یہ کہ مردار ہو یا (رگوں کا) بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ وہ سخت گندہ ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وہ جانور جس پر ذبح کے وقت بلند کیا جائے غیر خدا کا نام پھر جو شخص لاچار ہو جائے نہ نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (حد ضرورت سے) تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔)

وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما اضطررتم اليه.[14]

حالاں کہ اللہ تعالی نے مفصل بیان کر دیا ہے تمہارے لئے جو اس نے حرام کیا ہے تم پر مگر وہ چیز کہ تم مجبور اس کی طرف۔

وجہ استدلال:

یہ آیات اور ان جیسی دوسری آیات جہاں خون اور دیگر اشیا کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں وہاں ضرورت کے وقت اس کے ساتھ علاج کرنے کے جواز پر بھی دلالت کرتی ہیں پس اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے (۱۵) کہ حالت اضطرار میں مردار کا گوشت شراب اور دیگر اشیاء جن کی حرمت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہوا ہے ان سے انتفاع جائز ہے اسی طرح حالت اضطراب میں جب خون کے بغیر علاج ممکن نہ ہو تو علاج بالدم بھی جائز ہے۔

و ما جعل عليكم في الدين من حرج.[16]

اور نہیں روا رکھی اس نے تم دین کے معاملے میں کوئی تنگی

وجہ استدلال:

اس آیت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیت مریض سے بیماری اور تنگی کو اٹھانے پر دلالت کرتی ہے جس طرح فقہاء نے وضاحت کی ہے (۱۷) اور علاج کا ہر وہ رستہ جس سے مرض دور ہو سکے اسلام نے اس کو مشروع قرار دیا ہے چاہے وہ مریض سے مرض کا دور کرنا خون کی ذریعے ہی کیوں نہ ہو اور مریض سے مرض کو دور کرا سکے نفس یعنی اسکی جان کو محفوظ کرنا مقاصد شرعیہ میں سے ایک عظیم مقصد ہے۔ لہذا اگر مریض کو خون لگانا اشد ضروری ہو تو مقاصد شریعت پر عمل کرتے اس کو خون لگانا جائز ہوگا کیونکہ شریعت کا مقصد تنگی نہیں بلکہ آسانی

ہے۔

قرآن مجید نے ان مسلمانوں کی مدح کی جو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ایثار اور تعاون کرتے ہیں جس طرح ارشاد باری تعالی ہے:

و یؤثرون علي انفسهم ولو كان بهم خصاصة.(١٨)

ترجمہ: (اور وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ تنگی میں ہی کیوں نہ ہوں۔)

وجہ استدلال:

اس آیت بینہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام نے اپنے مسکلفین کو صرف یہ ترغیب نہیں دی کہ مسلمان بھائی کی ضرورت کو اپنی ضرورت کے برابر کا درجہ دینا ہے بلکہ اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینی ہے لہذا جب ایک مسلمان اپنی ضرورت اور کھانے پینے کی اشیاء کو دوسرے مسلمان کے لئے قربان کر دیتا ہے تو جب اس کی جان خطرے میں ہو تو اسی خوراک سے بننے والا خون اپنے بھائی کی جان بچانے کی لئے پیش کر دینا ایثار کا علی ترین عملی مظاہر ہو گا۔

احادیث مبارکہ:

خون لگوانا چونکہ جدید طریقہ علاج ہے اور اس کا واضح حکم احادیث میں موجود نہیں ہے لیکن خون کے ذریعہ دوا کی واضح شکل احادیث میں موجود ہے جس طرح کہ مندرجہ ذیل احادیث پاک سے واضح ہوتا ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالي عنهما ان رسول الله صلي الله عليه وسلم احتجم في راسه.(١٩)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واسلم نے اپنے سر میں پچھنے لگوائے)

ان جابر بن عبدالله عاد المقنع ثم قال لا ابرح حتي تحتجم فاني سمعت رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم يقول ان فيه شفاء.(٢٠)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے مقنع کی عیادت کی۔ پھر فرمایا میں نہیں جاوں کا حتی کہ تو پچھنے لگوائے کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس میں شفاء ہے)

وجہ استدلال:

درج بالا احادیث اور اس جیسی دوسری احادیث مبارکہ (٢١) سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجامت اور فصد کو بہتر اور مشروع قرار دیا اور خود بھی اس طریقہ علاج کو اختیار فرمایا چنانچہ تمام فقہاء (٢٢) حجامت کے ذریعے تداوی کے جواز پر متفق ہیں پس اگر تداوی بالفصد والحجامت جائز ہے تو تداوی بنقل الدم بدرجہ اولی جائز ہو گا کیونکہ دونوں میں قوی تعلق ہے حجامت خون نکالنے اور بہانے کا عمل ہے اور نقل الدم خون کو ایک جسم سے نکال کر دوسرے جسم میں داخل کرنے کا عمل ہے اگر بطور دوا اور علاج کسی کے جسم سے خون نکال کر بہانا جائز ہے تو اسی علت کی بنیاد پر کسی کے جسم نہیں خون داخل کرنا بھی جائز ہو گا اور اس میں کوئی شک نہیں خون کو ایسے آدمی کے جسم میں نقل کر دینا

جس کو اپنی جان بچانے کے لیے خون کی سخت ضرورت ہو کسی کے جسم سے خون نکال کر بہادینے سے زیادہ مفید عمل ہے۔

اقوال فقہاء:

فتاوی عالم گیری میں ہے:

يجوز للعليل شرب الدم و البول واكل الميتة للتداوي اذا اخبره طبيب مسلم ان شفائه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه.(۲۳)

(بیمار کوازاہ علاج مردار کھلانا خون اور پیشاب پلانا جائز ہے بشر طیکہ مسلم طبیب اسے اطلاع دے کہ اسی میں شفاء ہے اور وہ کوئی دوسری مباح چیز نہ پائے جواسکے قائم مقام ہو۔)

فقہاء کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی مسلمان طبیب اس بات کی خبر دے رہا ہو کہ کسی بیماری کا علاج حرام چیز سے یقینی ہے اور اسکا کوئی متبادل حل موجود نہ ہو تو ضرورت کے تحت حرام چیز کا استعمال جائز ہو گا۔جب خون پلانے سے تداوی جائز ہے تو کسی اور کا خون لگانے سے بدرجہ اولی جائز ہے۔

امام جصاص حالت اضطرار میں خون کے پینے کو مباح جانتے ہوئے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

من اضطر الي اكل الميتة والدم ولحم الخنزير فلم ياكل حتي مات دخل النار الا يعفو الله عنه.[۲۴]

(اور جس کو مجبور کیا گیا کہ وہ مردار کا گوشت کھائے خون پیئے یا خنزیر کا گوشت کھائے تو اس نے نہ کھایا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو جب تک اسے اللہ تعالی معاف نہ کرے وہ جہنمی ہے۔)

امام جصاص کی اس رائے کے مطابق اگر ضرورت کے وقت خون پینا جائز ہے تو دوا کے لیے خون کو لگوانا بدرجہ اولی جائز ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

ولا باس بان يسعط الرجل بلبل المراة ويشربه للدواء[۲۵]

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آدمی دوا کے طور پر عورت کا دودھ اپنی ناک میں ڈالے یا پیئے۔

خون اگرچہ جزء انسانی ہے لیکن اس کے ادخال اور انتقال کے لئے کانٹ چھانٹ کی ضرورت نہیں لہذا اس کی مثال انسانی دودھ کی طرح ہو گی مذکورہ بالا عبادت میں فقہاء نے علاج کے طور پر اس کا نکالنا اور پھر اس کے پینے یا ڈالنے کو جائز قرار دیا ہے تو خون کا انتقال اور ادخال بھی جائز ہو گا جزء انسانی ہونے کی بنیاد پر خون کو دودھ پر قیاس بھی کیا جاسکتا ہے اور ان میں قدر بھی مشترک ہے کہ جسم انسانی سے اخراج کے بعد جلد اپنی کمی پوری بھی کر لیتے ہیں۔

قواعد فقہیہ:

زمانہ قدیم میں چونکہ انسانی وسائل اور سہولیات محدود تھیں عصر حاضر کی سائنسی ترقی کے باعث نت نئے جنم لینے والے مسائل اس وقت در

پیش نہ تھے اس وجہ سے دیگر جدید مسائل کی طرح انتقال خون کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح نص موجود نہیں اور نہ ہی وسیع فقہی سرمایہ میں اس قسم کے مسائل سے متعلق شافی نصوص ملتی ہیں البتہ اس پر دلالت کرنے والے قواعد فقہیہ درج ذیل ہیں:

الضرورات تبیح المحظورات.[۲۶]

(ضرورتیں ممنوع چیزوں کو بھی جائز بنادیتی ہیں۔)

خون جزء انسانی ہے جب اس کو بدن سے نکال لیا جائے تو وہ نجس اور ناپاک ہے۔ لہذا اس کا تقاضا یہ ہے عام حالات میں ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا لیکن جب ضرورت ہو کہ خون لگانے کے بغیر انسان کی جان خطرے میں ہو دیا ڈر ہو کہ خون لگانے کے علاوہ جان بچانے کا کوئی اور چارہ کار نہ ہو تو خون کا لگانا ضرورت کا درجہ حاصل کرلے کا اور مندرجہ بالا قاعدہ کی روشنی میں ضرورت کے وقت ممنوع چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں۔ لیکن خون کا استعمال صرف ضرورت کی مقدار جائز ہوگا کیوں کہ شرعی قاعدہ ہے۔

والضرورات تقدر بقدرها[۲۷]

(ضرورتیں ضرورت کی مقدار جائز ہوتی ہیں)

اس قاعدہ کی رو سے ضرورت کے وقت محض اسقدر ہی ممنوعہ چیز کا استعمال جائز ہوگا جس کے ذریعے جان بچائی جاسکتی ہے لہذا علی سبیل التلذذ یعنی محض لطف اندوزی کے لیے حرام چیز کا استعمال جائز ہوگا۔ اسی لئے جتنا خون ضرورت کے درجے میں ہوگا اتنا جائز ہوگا۔

الضرر یزال[۲۸]

(ضرر کو زائل کیا جائے گا)

اس قاعدہ کی رو سے انسان کو جہاں کہیں نقصان کا اندیشہ ہو اس کو نقصان سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائیگی۔

اللہ رب العزت نے انسانی زندگی کے تحفظ کا حکم دیا اور انسانی جان کا ضیاع سب سے بڑا نقصان ہے اور اس نقصان سے کسی جان کو بچانا سب سے بڑی نیکی ہے پس اگر انتقال خون کے ذریعے کسی کی جان کے بچ جانے کے آثار دکھائی دے رہے ہوں تو اس کی جان کو اس طریقہ سے بچانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے لیکن درج بالا فقہی قاعدہ کے لیے چند قیود بھی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

الضرر لا یزال بمثله[۲۹]

(ضرر کو اس کے مثل ضرر سے زائل نہیں کیا جائے گا۔)

اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کسی کو نقصان سے بچاتے ہوئے اسی طرح کا کوئی اور نقصان ہونے کا اندیشہ ہر گز نہ ہو پس کسی کی جان کو بچانے کے لیے کسی ایسے انسان کا خون نکال کر بیمار کے بدن میں منتقل کرنا ہر گز جائز ہوگا جس کا خون نکالنے سے اس کی اپنی جان کو خطرہ لاحق ہو جائے۔

الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف[۳۰]

(شدید ضرر کو خفیف ضرر سے زائل کیا جائے گا۔)
کسی سخت نقصان کا ازالہ اگر نسبتاً کم نقصان سے ممکن ہو تو اس کم نقصان کو برداشت کیا جا سکتا ہے مثلاً کسی بیمار کی جان کو بچانے کے لیے خون دینے والے کے جسم میں کمزوری یا بیماری کا اندیشہ ہو تو اس کمزوری اور بیماری کے نقصان کو برداشت کرتے ہوئے بیمار کو خون دے کر اس کی جان بچائی جاسکتی ہے۔

یختا راھون الشرین او اخف الضررین[۳۱]

(جب دو نقصان بیک وقت درپیش ہوں تو ان میں سے شدید نقصان سے بچتے ہوئے خفیف اور ہلکے نقصان کو برداشت کر لیا جائیگا۔)
اس قاعدہ کی رو سے جب ہمارے سامنے صورتحال کچھ اس طرح ہو جائے کہ کسی کا خون لینے سے اس کے جسم میں صرف کمزوری واقع ہونے کا اندیشہ ہو جب کہ نہ منتقل کرنے کی صورت میں کسی کی جان ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو یہاں اگرچہ دو نقصان بیک وقت درپیش ہیں لیکن پہلا نقصان دوسرے کے مقابلہ میں خفیف اور کم ہے اور دوسرا نقصان شدید اور زیادہ ہے لہذا قاعدہ بالا کی رو سے پہلے نقصان کو اختیار کر لیا جائیگا اور خون دینا نہ دینے سے بہتر ہوگا۔

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت او خاصة[۳۲]

(حاجت کا درجہ ضرورت سے کم ہوتا ہے۔)
ضرورت سے مراد یہ ہے کہ انسان اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر وہ ممنوعہ کام کا ارتکاب نہ کرے تو اسکی ہلاکت یقینی ہو یا وہ ہلاکت کے قریب ہو جائے ایسی صورت میں تو حرام چیز مباح ہو جاتی ہے مگر حاجت سے مراد یہ ہے کہ انسان اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اسکی حاجت پوری نہ ہو تو ہو ہلاک تو نہ ہوگا مگر وہ مشقت اور تکلیف میں ضرور مبتلا ہوگا یہ چیز حرام کو مباح تو نہیں کرتی مگر عمومی قواعد میں اس حاجت سے نکلنے کی راہیں بھی ملتی ہیں چنانچہ ایک قاعدہ یہ بھی کہ :

والحاجة اذاعمت كانت ضرورية [۳۳]

(جب کسی چیز کی حاجت عام ہو جائے تو اس کو ضرورت کا درجہ مل جاتا ہے)
تو اس حاجت کو ضرورت کا درجہ مل جاتا ہے اور جب اسکو ضرورت مان لیا جائے تو اس پر بھی ضرورت کے مندرجہ بالا تمام قواعد لاگو ہونگے مصالح شریعت سے مراد وہ امور یا چیزیں ہیں جن کی رعایت اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے یا نقصان سے بچانے کی غرض سے اس طرح کی گئی ہو کہ اگر انہیں عقل کے سامنے پیش کیا جائے تو عقل ان کو قبول کرے اور ان کے ذریعے شرعی اصول وہدایت کی نفی نہ ہوتی ہو مصالح شرعیہ کا حاصل یہ ہے کہ امر ضروری دین کی حفاظت کی جائے اور دین اسلام میں لازم آنے والے حرج کو رفع کیا جائے ان دلائل کے علاوہ اس میں درج ذیل شرعی مصالح بھی پائے جاتے ہیں۔

مقاصد شریعت کے موافق تر ہے:

انسانی جان کی حفاظت اور اسکے بدن کی سلامتی شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے اور اس پر شریعت اسلامیہ کے بہت سے احکام کا مدار ہے۔ چنانچہ نوع انسانی کی بقا اور تحفظ کی خاطر اور نسل انسانی کی افزائش کے لیے شادی نکاح کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے اور اپنی جان کی حفاظت فرض قرار دی گئی ہے اسی مقصد کے پیش نظر کھانے پینے رہائش لباس اور خوراک کو بنیادی ضروریات کا درجہ دیا گیا اور جو انسان کسی کی جان پر تعدی کرتا ہے اس کے لیے قصاص دیت اور کفارہ جیسے احکامات عائد کیے جاتے ہیں حتی کہ خود انسان کو جان بوجھ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

ولاتلقوا بايديكم الى التهلكة[۳۴]

اور پھینکو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں۔

جان کی حفاظت اور جان کو نقصان سے بچانا شریعت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے خواہ اس مقصد کیلیے حرام یا نجس چیز کا استعمال ناگزیر کیوں نہ ہو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل اور قابیل کے قصہ کے ساتھ ساتھ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کی جان بچانا بہت بڑی نیکی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

من اجل ذلک کتبنا علي بني اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا[۳۵]

اسی وجہ سے (حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین مین فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانون کو

اور جب جان کنی کا عالم ہو موت کسی انسان کے سر پہ منڈلا رہی ہو تو اس کو خون کا عطیہ دے کر موت کے منہ سے بچانا اور ہلاکت سے محفوظ رکھنا ہی احیاء النفس نہیں تو اور کیا ہے؟ فتح القدیر میں امام شوکانی نے حضرت مجاہد کا قول روایت کیا ہے:

روي عن مجاهد ان احياء ها انجائها من غرق او حرق او تهلكة او هدم-[۳۶]

(حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ احیاء النفس کا معنی جان بچانا ہے یعنی کسی کی جان کو ڈوبنے، جلنے، ہونے یا گرنے سے بچانا ہے۔)

شیخ محمد رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں لکھا ہے:

من كان سببا الحياة نفس واحدة بانقاذها من موت كانت مشرفة عليه فكانما احيا الناس جميعا لان الباعث له علي انقاذ الو احدة هو الرحمة والشفقة ومعرفة الحيلة الانسانية اوحترامها والوقوف عند حدود الشريعة في حقوقها تندغم فيه جميع حقوق الناس عليه فهو دليل علي انه اذا استطاع ان ينقذهم كلهم من هلكه يراهم مشرفين علي الوقوع فيها لا يني في ذالک ولا يدخر وسعا ومن كان كذلک لا يقصر في حق من هقوق البشر عليه ثم قال الايه تعلمنا ما يجب من وحدة البشر وحرص

كل واحد منهم علي حيوة الجميع والقيام بحق الفرد من حيث ان عضو من النوع-[۳۷]

(پس جو آدمی کسی ایسی جان کو جو کہ موت کے قریب ہو بچا کر نفس واحد کی حیات کا سبب بنے گا تو گویا کہ اس نے ساری انسانیت کو زندہ کیا کیونکہ اس کو اس ایک جان کو بچانے پر ابھارنے والی چیز جذبہ رحم دلی اور شفقت ہے اور انسانی جان کی قیمت اور اسکی عزت و حرمت سے آگاہی اور اس کے حقوق سے متعلقہ شرعی حدود سے واقفیت نے اسکو یہ کام کرنے پر برانگیختہ کیا پس کسی ایک جان کو بچانے والا اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس ایک جان کے حقوق میں ساری انسانیت کے حقوق شامل ہیں اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ کسی موقع پر بالفرض اگر سارے انسانوں یا بہت سے انسانوں کو ہلاک ہوتے ہوئے دیکھے گا تو اپنی استطاعت کے مطابق ان کو اس سے بچانے کی بھی کوشش کرے گا اور اس سلسلہ میں کوئی وقت فرد گنجائش نہیں چھٹے کا اور جو آدمی ایسی فکر کا حامل ہو وہ انسانی حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کر سکتا۔ پھر انہوں نے کہا ہے کہ یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ وحدت انسانی ضروری ہے اور ہر ایک انسان پر لازم ہے کہ وہ تمام انسانیت کی حیات اور بقاء پر حریص ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فرد کے حقوق ادا کرے اس حقیقت سے کہ وہ بھی نوع انسانی کا ایک فرد اور عضو ہے۔)

پس درج بالا عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابن جریر[۳۸] سے لیکر دور حاضر کے مفسرین تک تمام علماء تفسیر کی رائے یہ ہے کہ آیت ومن احياها فكانما احيا الناس جميعا[۳۹] ایک ایسے عمومی احیاء پر دلالت کرتی ہے جس میں کسی جان کو ہلاکت سے بچانا بھی شامل ہے۔ جس ہلاکت کے وہ قریب ہوا و ہلا شک و ریب جب کوئی آدمی کسی ایسی بیماری کا شکار ہو جس میں اس کی جان کی حفاظت اس کو کسی کا خون منتقل کیے بغیر ممکن نظر آتی ہو تو انتقال خون کے ذریعے اس کی جان کو ہلاکت سے بچا لینا یقیناً احیاء النفس کی زمرے میں داخل ہو گا اور اسی چیز کو قرآنی آیت میں پوری انسانیت کو زندگی دینا کہا گیا ہے جو صرف جائز ہی نہیں بلکہ شریعت کا مطلوب و مقصود ہے۔

ضرورت اور حاجت کا تقاضا ہے:

انتقال خون کے جواز کا حکم اس لئے بھی دیا گیا ہے کہ یہ ضرورت کا تقاضا ہے اور حاجت اس کی داعی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایک مریض کو جب آپریشن کی وجہ سے یا کسی اور بیماری کی وجہ سے موت کا خطرہ لاحق ہو تو اس کو کسی صحیح الجسم زندہ انسان کے خون کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اس وقت ڈاکٹر اس کیلئے کسی ایسے شخص کا خون تجویز کرتے ہیں جو پیچیدہ بڑی بیماریوں سے محفوظ ہو اور جب تک انہیں اس بات کا یقین نہ ہو جائے اور وہ یہ کہ خون تمام خرابیوں سے پاک ہے۔ اور مریض کے خون کے گروپ کے موافق ہو اور انہیں قوی امید ہو کہ یہ جسم اس خون کو قبول کرے گا۔ اس کی مدد سے کے جسم میں ہونے والی خون کی کمی کی تلافی بھی ہو جائے گی اور کوئی صحت مند قوی صحیح الجسم اپنے خون میں سے کچھ حصہ اس کو تبرعاً دینے پر رضامند بھی ہو۔ مزید برآں اس سے صحیح آدمی کا خون پہنے سے اس کی جان کا اندیشہ یا ہلاکت کا خطرہ بھی نہ ہو۔ یا محض معمولی سے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسے حالات میں اس صحیح اور اتندرست آدمی کا خون بیمار کے جسم میں منتقل کرنا جائز ہو گا۔ بلکہ بعض اوقات جب انتہائی خطرے کے وقت اس کی حالت شدید ہو گی تو مستحب یا واجب بھی ہو گا۔ الغرض حاجت کی شدت اور خطرے کے تفاوت کے اعتبار سے انتقال خون کبھی جائز کبھی مستحب اور کبھی واجب ہو گا۔

اخوت کا تقاضا ہے:

اخوت اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے جس پر پورے اسلامی معاشرے کی عمارت قائم ہے ملت اسلامیہ کی زندگی میں اخوت اور بھائی چارے کے آثار نمایاں ہیں اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اخوت کے ایسے رشتے میں منسلک کیا ہے جو نسبی اخوت سے بدرجہا فائق اور عالی رشتہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المؤمنون اخوة[٤٠]

(بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عن عبداللہ بن عمر رضي الله تعالیٰ عنه اخبره ان رسول الله ﷺ قال المسلم اخو المسلم.[٤١]

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔)

ان احکامات شرعیہ میں اخوت و ہمدردی کا درس دیا جارہا ہے اور اخوت کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو جس چیز کی حاجت نہ ہو وہ اپنے مسلمان بھائی کو دے دے بالخصوص جب اس مسلمان بھائی کو اس چیز کی ضرورت بھی ہو یا اس کو اس سے زیادہ ضرورت ہو اور انتقال خون کی بنیادی شرائط اور ضوابط میں یہ فلسفہ کار فرما ہے کہ جب ایک ماہر طبیب اس بات کا پختہ یقین دلاتا ہے کہ اس انسان کے جسم سے جس قدر خون لیا جائے گا وہ اس کے جسم کے لیے نقصان کا باعث نہیں ہوگا کیونکہ اس کے جسم میں خون کافی مقدار ہے اور خون لینے کی وجہ سے جسم میں رونما ہونے والی خون کی معمولی سی کمی کو تھوڑی سی غذا کے عوض پورا کیا جاسکتا ہے جبکہ دوسری طرف اس کے دینی یا قومی بھائی کو اس خون کی فوری طور پر سخت حاجت اور شدید ضرورت ہے، جو غذا کی بڑی سے بڑی مقدار کے عوض میں بھی پوری نہیں ہوسکتی۔ پس اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان کو جب اس کے خون کی ضرورت اس کی اپنی ضرورت سے بہت زیادہ ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی ضرورت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے۔

حدیث شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن ابي سعيد خدري رضي الله تعالیٰ عنه قال بينما نحن في السفر مع النبي ﷺ اذ جاء رجل علي راحلته له قال فجعل يصرف بصره يمينا و شمالا قال رسول الله ﷺ من كان معه فضل ظهر فليعد به علي من لا ظهر له و من كان له فضل من زاد فليعد به علي من لازاد له فذكر من اصناف المال ماذكر حتي راينا انه لا حق لاحد منافي فضل.[٤٢]

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ کے لیے نکلے جبکہ ایک آدمی آیا اور وہ دائیں بائیں نظر پھیرنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو تو وہ اس کو صدقہ کردے جس کے

پاس سواری نہ ہو، اور جس کے پاس زائد زادراہ ہو وہ اس کو صدقہ کر دے جس کے پاس زادراہ نہ ہو پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اس طرح مال کی کئی انواع کا ذکر کیا راوی بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ ہم نے یوں سمجھا کہ زائد مال میں سے ہم میں سے کسی کا کوئی حق نہیں (بلکہ مہمان کا حق) ہے۔

اسی طرح حضور نبی رحمت ﷺ نے اس زائد پانی کے بارے میں فرمایا جس کی ضرورت لوگوں کو اپنی کھیتیاں سیراب کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عن ابي هريرة رضي الله تعالي عنه يقول قال رسول الله ﷺ لا يباع فضل الماء ليمنع به الكلاء.[۴۳]

(جب کوئی آدمی اپنی کھیتی کو سیراب کرلے اور اس کے پاس کچھ پانی باقی بچ جائے جس کی اسے حاجت نہ ہو تو اس کے لیے اس پانی کو بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ وہ کسی کو اس پانی سے نفع حاصل کرنے سے روکے)۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی انسان کی ملکیت میں چٹیل میدان میں ایک کنواں ہو جس کا پانی اس کی ضرورت سے زائد ہو اور وہاں پہ ایک چراگاہ ہو جس کو سیراب کرنے کے لیے اس کنواں کے علاوہ کوئی اور پانی نہ ہو اور چرواہے جب تک اس کنویں کا پانی استعمال نہ کریں وہ اس چراگاہ کو آباد نہ رکھ سکتے ہوں تو اس کنویں کے مالک پر حرام ہوگا اس زائد پانی کو استعمال کرنے سے اسے روکے بلکہ اس پہ واجب ہوگا کہ بلاعوض وہ پانی ان کو دیدے کیونکہ اگر یہ انہیں پانی استعمال کرنے سے روکے گا تو وہ چراگاہ نہیں آئیں گے۔

درج بالا احادیث میں غور کرنے سے جو چیز واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی ملکیت میں موجود اس کی ضرورت سے زائد پانی کی جانوروں کے پینے کے لیے سخت ضرورت ہو تو اس آدمی پہ اپنے مسلمان بھائی کے جانوروں کی ضرورت پوری کرنا لازم ہے تو کیا خیال ہے اس انسان کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و تکریم کا تاج پہنایا اور زمیں و آسمان میں موجود تمام ذخائر اس کے لیے مسخر فرمادیئے اسے جب اپنے بھائی کے زائد خون کی ضرورت ہو تاکہ وہ اپنی جان کو ہلاکت سے بچاسکے اور اس میں خون دینے والے کے کسی بھاری یا شدید نقصان کا احتمال بھی ہو تا کیا اس کے لیے اپنے بھائی کو خون کا عطیہ دینا جائز نہ ہوگا نہیں صرف جائز ہی نہیں بلکہ اخوت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ اس پر واجب اور لازم ہو۔

ایثار کو متضمن ہے:

ایثار اسلام کے مبادی اصولوں اور اہم تعلیمات میں سے ہے۔ ایثار سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے بھائی کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر ترجیح دے پس وہ اپنے حصے اور حق کو اپنے بھائی کی خاطر ترک بھی کر سکتا ہے اور یہ اعلیٰ ترین خلق ہے جب کہ انسان طبعی طور پر آنا پسند ہے اور ہمیشہ اپنی بھلائی اور ذاتی منفعت کو پسند کرتا ہے لیکن یہ ایک ایسی فکر ہے جو ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں اس فکر کا حامل انسان ہمیشہ اپنی ذاتی اور انفرادی منفعت کا خواہاں ہوتا ہے اپنے قومی بھائیوں اور اپنی ملت کی فلاح و بہبود کی فکر سے عاری ہوتا ہے جب کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے لیے اس رذیل اور گھٹیا فکر کی بیخ کنی، الحب فی اللہ کے ذریعے کرتا ہے ایمان کے عناصر میں یہی چیز بنیادی حیثیت کی حامل

ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن انس رضي الله تعالي عنه عن النبي ﷺ قال لا يؤ من احدكم حتي يحب لاخيه ما يحب لنفسه۔[۴۴]

(حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا حتی کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔)

پس الحب فی اللہ اور الحب للہ ایمان کے بنیادی تقاضے ہیں جن کا مطلوب و مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اہلِ ایمان بھائیوں کی ضرورت اور حاجات کو اپنی حاجات اور ضروریات پر ترجیح دیتے ہوئے اپنے بھائیوں کے لیے وہی چیز پسند کرے جس کی خواہش وہ اپنے لیے رکھتا ہو اسلام میں بھائی کی ضرورت کو صرف اپنی ضرورت کے برابر کا درجہ دینے کی ہی تلقین نہیں کی گئی بلکہ بھائی کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینے کی ترغیب دے کر جذبہ انانیت کو ختم کر کے ایثار پر ابھارا گیا ہے۔ جس طرح اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں انصار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مہاجرین مدینہ کے لیے سخاوت، محبت اور مثالی ایثار کی طرف اشارہ دیا ہے جنہوں نے اپنے گھروں کے فاقہ اور فقر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے بھائیوں کی نصرت اور اعانت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

و يؤثرون علي انفسهم ولو كان بهم خصاصة۔[۴۵]

اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔

پس جب ایک مسلمان آدمی اپنی اشیاء ضرورت اور کھانے پینے کی اشیاء میں اپنے بھائی کے ساتھ ایثار کرے گا تو یہ اس مسلمان کا ایثار کرنا احسان نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بھائی کا حق ہے اگرچہ اس ایثار کی وجہ سے اس کی خوراک میں کمی واقع ہو اور یہ خوراک کی کمی اس کی جسمانی کمزوری کا سبب بن جائے تو جب اپنے اسی بھائی کی جان خطرے میں ہو تو اس خوراک سے بننے والے خون کو اپنے بھائی کی جان بچانے کے لیے پیش کر دینا یقیناً ایثار کا اعلیٰ ترین عملی مظاہرہ ہے اس لیے اپنے مسلمان بھائی کی جان کے احیاء کے لیے خون ہبہ کرنا خلاف شریعت نہیں بلکہ عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو گا۔

خون کا عطیہ مانند ہبہ ہے:

ہبہ، ہدیہ اور عطیہ ایسے افعال ہیں جن کی شریعت اسلامیہ میں ترغیب و تحریص کی گئی ہے اور یہ بھی مکارم اخلاق میں سے ہے اور جود و سخا پر دلالت کرتے ہیں، قرآن کریم میں ہبہ کو اللہ تعالیٰ کا وصف کمال ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ام عندهم خزائن رحمة ربک العزيز الوهاب۔[۴۶]

کیا ان کے قبضے میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے جو عزت والا بے حساب عطا کرنے والا ہے۔

پس جو آدمی ہبہ کرے وہ ایک بہت بڑے شرف کو پالیتا ہے کیوں کہ ہبہ کرنے والے کا نفس لالچ اور حرص سے پاک ہو جاتا ہے اس عمل سے

موہوب لہ کا دل شاداں اور فرحاں ہو جاتا ہے اور دونوں کے درمیان باہمی محبت اور مودت پروان چڑھتی ہے نفرت، کینہ، بغض، حسد اور عناد جیسی صفات قبیحہ سے دل پاک صاف ہو جاتے ہیں لہذا اس کے وصفِ کمال ہونے میں کوئی شک نہیں اور فقہاء کے نزدیک ہبہ کہتے ہیں۔

تملیک عین بلا عوض.(۴۷)

(کسی چیز کی اصل کا بغیر کسی عوض کے کسی کو مالک بنا دینا۔)

اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال، قال رسول الله ﷺ تهادوا تحابوا.(۴۸)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو باہمی محبت میں اضافہ ہوگا۔) پس ہدیہ اور ہبہ ایسی چیزیں ہیں جو سینے کی میل کچیل کو جذب کر لیتی ہیں پس نبی اکرم ﷺ خود بھی ہدیہ دیتے تھے اور ہدیہ کو قبول بھی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ہدیہ لینے اور دینے کا عمل صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے ہدیہ کو قبول فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کی طرف ہدیے بھیجے بھی ہیں ان اسلامی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ ہدیہ لینا اور دینا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے اسی طرح اپنے بھائی کو خون کا عطیہ دینا بھی کسی طور پر ہبہ اور ہدیہ سے کم عمل نہیں۔ لہذا یہ بھی ایک وصفِ کمال ہے جو مسلمانوں کے درمیان باہمی محبت، اخوت اور مودت کے فروغ کا وسیلہ ہے اور نفرتوں، بغض و عناد کی بیخ کنی کا ذریعہ ہیں۔

خلاصہ بحث:

انتقال خون کا مفہوم یہ ہے کہ کسی جسم سے خون نکال کر دوسرے جسم میں داخل کرنا ہے حالت اختیار میں انتقال خون ممنوع ہے کیونکہ یہ محرمات میں سے ہے اور شریعت اسلامیہ اختیار کے وقت محرمات کے استعمال کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ خشکی کے جانوروں کا بہنے والا خون جب تک ان کے جسم کے اندر رہے جسم کے دیگر اجزاء کی طرح پاک ہوتا ہے اور جب یہ جسم سے بہتا ہوا باہر نکلے تو ناپاک ہو جاتا ہے۔

حالت اضطرار خون کا انتقال جائز ہے کیونکہ قرآن وحدیث، قواعد فقہیہ اور اقوال فقہاء اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حالت اضطرار میں محرمات کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے اسی طرح خون کے ہبہ کرنے میں اخوت، ایثار، ہبہ جیسے شرعی مصالح پائے جاتے ہیں۔

دوران تحقیق دلائل کا بغور جائزہ لینے کے بعد میری رائے یہ ہے کہ مجمع الفقہ الاسلامی الدولی کا انتقال خون کے جواز کا فیصلہ اقرب الی الحق ہے۔

References

1. Al Razi, Muhammad bin Abu Bakar bin Abdul Qadir, Mukhtar al Sahah, Tahqeeq Mahmood Khatir, Bairout, Maktaba Nashir, 1415 Hijri, p. 132.
2. Mazeek Dekhyee Ibn Manzoor, Muhammad bin Jalal u din, Lisan al Arab, Bairout, Dar Sadir, 1420 Hijri, vol: 14, p. 268.
3. Mazeek Dekhyee, Ahmed bin Muhammad bin Ali, al Maqri, al Misbah al Munir fi Gharib al Sarh al Kabeer lil rafi, Bairout, al Maktaba Ilmiya, Vol: 1, p. 200.
4. Kanaan, Ahmed Muhammad Kanan, al Khiyat, Muhammad Haisam, al Mosoiat al Tabiyat al Faqihat,

Bairout, Dar al Nafais, 1420 Hijri, p. 462.
5. Majmua al Fiqh al Islami Jeddah, Mujallah Majuma al Fiqh Islami, al Adad 11, Jeddah, Maktaba Maktaba Majma al Fiqh al Islami, vol: 4, p. 245.
6. Shokani, Muhammad bin Ali bin Muhammad, al Sabeel al Jarar al Mutad Faqaili Hadiq al Zahar, Tahqeeq Mahmood Ibraheem Zahid, Bairout, Dar ul Kutub al Ilmiya, 1405 Hijri, Vol: 1, p. 35, Wama bad Siddque Hassan Khan, Muhammad Siddique Khan bin Hassan bin Ali bn Lutufullah al Hussaini, Abu al Tayab, al Bukhari, Bairout, Dar ul Marifat, Vol: 1, p. 15.
7. Haskafi, Alaouddin Muhammad bin Ali bin Muhammad, al Dar al Mukhtar Sarh Tanveer al Absar fi Fiqh mazhab al Imam abu Hanifa al Nouman, Bairout, Dar ul fikar, 1386 Hijri, Vol: 1, p. 390.
8. Ibn Arabi, Abu Bakar Muhammad bin Abdullah, Ahkam al Quran, Tahqeeq Muhammad Abdul Qadir Atta, Bairout, Dar ul fikar, 1408 Hijri, vol: 1, p. 53.
9. Al Novi, Imam, Yahya bin Sharf, Kitab al Majmo Sarh al Muhazib al Shirazi, Bairout, Dar ul fikar, 1997, vol: 2, p. 556.
10. Ibn Muflih, Shams u Din al Muqdasi, Abdullah Muhammad bin Muflih, Kitab al Firooy, Bairout, Dar ul fikar, vol: 1, p. 253.
11. Ibn Temiya, Taqi u din, Ahmed bin Abdul Haleem bin Temiya, Majmoya al Fatawa, Tahqeeq Anwar al Baz, Bairout, Dar ul Muarifat, 1426 Hijri, vol: 21, p. 222 to 598.
12. Surat Al Baqrah: 2: 172
13. Surat Al Inam: 6: 143.
14. Surat Al Inam: 6: 119.
15. Shokani, Muhammad bin Ali bin Muhammad, Bairout, Dar al Jail, 1973, Vol: 9, p. 91.
16. Surat Al Hajj: 22: 77
17. Surat Al Hashar: 59:9
18. Bukhari, Abu Abdullah Muhammad bin Ismail bin Ibrahim bin al Mughirah, Kitab al Tib, Bairout, Dar ibn Katheer, 1407 Hijri, Hadith: 5373.
19. Saheeh Al Bukhari, Kitab al Tib, Bab al Hijamat mun al Dai, Hadith: 5372.
20. Saheeh Al Bukhari, Kitab al Tib, Bab al Hijamat mun al Dai, Hadith: 5371.
21. Saheeh Muslim, Kitab Salam, Hadith: 2207.
22. Ibn Hijar, Shahbudin, Ahmed bin Ali bin Hijar al Asqalani, Fatah al Bari Sarh Saheeh Bukhari, Bairout, Dar al marifat, 1379 Hijri, vol: 2, p. 114.
23. Jamat min Ulama e Hind, Al Fatawa Hindiya, Egypt, Vol: 5, p. 355.
24. Al Jamia al Ahkam al Quran, vol: 1, p. 607.
25. Al Fatawa al Hind, Vol: 1, p. 112.
26. Siyoti, Jalaluddin Abdul Rehman bin Abu Bakar, Bairout, Dar ul Kutub Ilmiya, 1419 Hijri, p. 93.
27. Al Sabah al Nazair al Siyoti, p. 68.
28. Ibn Najeem, Zain ul Abideen bin Ibrahim bin Najeem, al Sibah al Nazair Ali Mazhab Abu Hanifa al Nouman, Bairout, Dar ul Kutub Ilmiya, p. 102.
29. Al Sabah al Nazair al Siyoti, p. 86.
30. Al Sabah al Nazair la bin Najeem, p. 54.
31. Al Sabah al Nazair al Siyoti, p. 45.
32. Al Sabah al Nazair la bin Najeem, p. 87.
33. Al Sabah al Nazair al Siyoti, p. 78.
34. Surat Al Baqarah: 2:195.
35. Surat Al Maidah: 5:32.
36. Al Shokani, Muhammad bin Ali, Fatah al Qadeer, Bairout, Darul Wafa, 1418 Hijri, Vol: 3, p. 143.
37. Muhammad Rasheed Raza, Allama, Tafseer al Manar, Bairout, Dar ul marifat, 421 Hijri, vol: 6, p. 349.
38. Al Tibri, Abu Jafar Muhammad bin Jareer bin Yazeed bin Khalid, Tafseer al Tibri, Bairout, Mosisat al Risala, 1420 Hijri, Vol: 5, p. 200.

39. Surat Al Maidah: 5:32.
40. Surat Al Hujarat: 49:10.
41. Saheeh Bukhari, Hadith: 2262.
42. Saheeh Muslim, Hadith: 3308.
43. Saheeh Muslim: Hadith: 2979.
44. Saheeh Bukhari: Hadith: 12.
45. Surat Al Hashar: 59:9.
46. Surat Souad: 38:9.
47. Abu Habib, al Daktoor Saidi Abu Habib, al Qamoos al Fiqahi, Damscus, Dar ul fikar, p. 243.
48. Al Tabrani, Suleeman bin Ahmed bin Ayoob, Abu al Qasim al Tibrani, al Muajim, Qahirah, Dar al Haramain, 1415 Hijri, Vol: 7, p. 190, Hadith: 7240.